امتیاز محمد خان

ترکوں کا غیر مسلموں کے ساتھ سلوک

سلجوقی بھی مسلمان تھے اور اُنہوں نے بازنطین جیسی قدیم عیسائی حکومت کے بلادروم میں پرخچے اڑائے تھے، لیکن سلجوقیوں کی حکومت بلاد مغرب سے محروم رہی۔ اُندلس کے بعد اگر کسی مسلمان قوم نے سرزمین یورپ پر قدم رکھا تو وہ عثمانی ترک تھے۔ جس زمانے میں عثمانی درہ دانیال اور باسفورس کو پار کر کے سرزمینِ یورپ میں پہنچے، اس زمانے میں اہل مغرب صلیبی جنگوں میں پِٹ پٹا کر ناکام واپس ہو چکے تھے اور مغربی عیسائیوں میں وہ "صلیبی ذہنیت" قائم ہو چکی تھی جس کی رُو سے مسلمان اور ان کا مذہب دنیا کا بدترین مذہب سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ عثمانی مع اپنے مذہب بحیثیت فاتح پہنچے اور ان ناکام صلیبیوں کو زیر کرنا شروع کیا، اس لیے ان مغلوب عیسائیوں کے ذہن پر نفرت کے ساتھ احساس کمتری بھی سوار ہو گیا۔

جن علاقوں میں عثمانی شروع میں پہنچے ان میں عیسائی تین فرقوں میں منقسم تھے یعنی ۱۔ مشرقی کلیسا کے حامی ۲۔ کیتھولک کلیسا کے حامی ۳۔ ارمنی کلیسا کے حامی۔ یہ تینوں کلیسا ہمیشہ سے ایک دوسرے سے برسرِپیکار تھے۔ فتح قسطنطنیہ (۱۴۵۳ء) کے فوراً بعد سلطان محمد فاتح نے "ملّت" کا طریقہ رائج کیا۔ اس فتح تک عثمانیوں کا واسطہ صرف ارمنی اور مشرقی کلیسا تک محدود تھا۔ کیتھولک کلیسا ابھی مملکتِ عثمانیہ کے حدود سے دور تھا۔ عیسائیوں کے علاوہ یہودی بھی مملکت عثمانیہ میں موجود تھے، لیکن یہودیوں کی تعداد ابھی تک کم تھی۔ جب اُندلس میں آخری اسلامی حکومت غَرناطہ کا خاتمہ ۱۴۹۲ء میں ہوا تو یہودیوں نے بھی مملکتِ عثمانیہ کا رخ کیا، کیونکہ تمام یورپ میں صرف قسطنطنیہ ایک شہر تھا جہاں یہودیوں کو امن وامان پوری طرح حاصل تھا۔

سلطان محمد فاتح کا رائج کردہ طریقۂ ملّت

عثمانی جس اسلام کو لے کر قسطنطنیہ پہنچے وہ صوفیوں کا تاویل کردہ تھا۔ گو اصل اسلام نے بھی از روزے قرآن اہلِ کتاب کو مشرکوں پر ترجیح دی تھی، لیکن صوفیوں نے تمام مذاہب کو برحق مان لیا تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں تو عیسائیوں کو مساوی حقوق دیے جا چکے تھے۔ اسی طرح یہودیوں اور زرتشتیوں کا شمار بھی اہلِ کتاب میں تھا۔ صوفیوں میں بھی مختلف "طریقتیں" تھیں۔ ان سب طریقتوں

میں بکتاشی طریقت عیسوی عقائد سے نزدیک تر تھی۔ عثمانی سب سے زیادہ اسی بکتاشی طریقت کے معتقد تھے۔

چنانچہ بعد فتح قسطنطنیہ محمد فاتح کو مذہبی مسائل حل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس نے فوراً "طریقۂ ملت" رائج کیا۔ اپنی تمام رعایا کو دو ملتوں میں منقسم کیا یعنی ملت اسلامیہ اور ملت عیسوی، لیکن اس زمانے میں عیسائیوں میں کئی فرقے تھے۔ بازنطینی حکومت کے دور میں مملکت بازنطینی میں مشرقی کلیسا کا راج تھا۔ اس کلیسا کا سربراہ "بطریقِ اعظم" کہلاتا تھا اور پاپائے روم کا مدّمقابل تھا۔ ابتدائی دور میں مملکتِ عثمانیہ میں پاپائے روم کے حامی یعنی کیتھولک برائے نام تھے۔ چنانچہ سلطان محمد فاتح نے بطریق کی بطرقیت کو بسروچشم تسلیم کیا اور اُس کو وہ حقوق دیے جو اس کو بازنطینی حکومت میں بھی نصیب نہ تھے۔ مذہبی معاملات میں مشرقی کلیسا کو مکمل آزادی مل گئی۔ ایسے مقدمات جن میں دونوں فریق عیسائی ہوتے تھے اسی بطریق کی عدالت میں پیش کیے جاتے تھے۔ بلکہ ایسے مقدمات بھی جن میں مدّعی مسلمان ہوتا تھا اسی بطریق کی عدالت میں پیش کیے جاتے۔

اسی طرح عثمانیوں نے ارمنی کلیسا کے حامیوں کو بھی ملت کے حقوق دیے۔ ارمنی کلیسا کے سربراہ کو بھی وہی تمام حقوق دیے گئے جو بطریقِ اعظم کو حاصل تھے۔ جب عثمانیوں نے بجانب مغرب مزید پیش قدمی کی تو کیتھولک عیسائی بھی عثمانیوں کے زیرِ نگیں ہونے لگے۔ چنانچہ عثمانیوں نے ایک کیتھولک ملت بھی قائم کی، لیکن جو مراعات مشرقی کلیسا والوں کو حاصل تھیں وہ کیتھولک عیسائی کبھی حاصل نہ کرسکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کیتھولک کلیسا کا سربراہ اعظم پاپائے روم تھا جو اسلام کا سخت دشمن تھا اور مملکت عثمانیہ کو برباد کرنے کی فکر میں ہمیشہ رہتا تھا۔ یہ وہی پاپائیت تھی جس کی صدا پر صلیبی جنگیں شروع ہوئی تھیں۔

کیتھولک کے برعکس حامیانِ مشرقی کلیسا خوب جانتے تھے کہ ان کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ عثمانیوں کے منہ لگے رہیں، کیونکہ پاپائے روم مشرقی کلیسا کا جانی دشمن تھا اور اس ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو ڈھانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ساتھ ہی سلاطینِ عثمانیہ بھی دشمنانِ مشرقی کلیسا کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور ہر موقع پر بطریقِ اعظم کا ساتھ دیتے تھے۔ جب مشرقی کلیسا کے علاوہ اور فرقوں کے عیسائی بھی مملکت عثمانیہ کے زیرِ نگین ہوئے تو ان عیسائی فرقوں سے بھی اسی قسم کے معاہدے کیے گئے اور ہر فرقے کے سربراہ کو سردار فرقہ تسلیم کیا گیا۔ مملکت عثمانیہ کا واسطہ ان غیر مسلموں سے انہیں قائدین ملت کے ذریعے ہوتا تھا۔ حکومت ہمیشہ ان قائدین کا ساتھ دیتی۔ از روئے شریعت جن عیسائی فرقوں کو از روزے معاہدہ امن و امان دیا گیا، ان عیسائی فرقوں کو "مستامنین" کہا جاتا یعنی وہ لوگ جن کو پناہ دی گئی۔ عثمانیوں کی رواداری مذہب کے معاملے میں ایسی مسلّم تھی کہ بعض عیسائی حکومتیں بھی ان مسلمان ترکوں کا ساتھ دیتی تھیں اور ہم دوش ہوکر ترکوں کے عیسائی دشمنوں سے لڑتیں۔

عثمانیوں کے عہد میں یہودیوں کا عروج

عثمانیوں کے عہد میں جس فرقے نے سب سے زیادہ مزے اڑائے، وہ یہودی تھے۔ ہر عیسائی ملک میں یہودی دھتکارے جاتے تھے۔ ہسپانیہ میں جب آخری مسلم حکومت غرناطہ کا خاتمہ ۱۴۹۲ء میں ہوا تو یہودیوں پر بھی ہسپانوی عیسائیوں کا عتاب نازل ہوا۔ اس عتاب سے بچنے کے لیے انھوں نے بظاہر دینِ عیسوی اختیار کر لیا، لیکن جب بعد فتح قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح نے یہودیوں کو مراعات دینا شروع کیں تو اس کا چرچا ہسپانیہ تک پہنچا۔ وہ تمام یہودی جو بظاہر عیسائی ہو گئے تھے، مملکت عثمانیہ پہنچے۔ سلطان محمد فاتح نے یہودیوں کو قسطنطنیہ میں بسایا اور اس قوم کو بھی ایک علیحدہ ملت کا درجہ دیا۔ اُن کے بڑے ربی کو "حاخم باشی" مقرر کیا۔

یہاں قسطنطنیہ میں یہودی ترکوں کے ایسے منہ لگ گئے کہ ان کے "حاخم باشی" کا رتبہ بطریق اعظم سے بھی اعلیٰ کر دیا گیا۔ اس عہدے دار کا درجہ صرف شیخ الاسلام کے بعد تھا۔ بازنطینیوں نے بھی ایسا حسن سلوک یہودیوں سے کبھی نہ کیا تھا۔ سلاطین عثمانیہ کے طبیب خاص اکثر یہودی ہوتے۔ اُندلسی مسلمانوں کی طرح اندلسی یہودیوں نے بھی ترکوں کو فنون سکھائے۔ یہودیوں میں بھی کئی فرقے تھے جن میں سے ایک "قرائطی" نامی کے عقائد حنفی عقائد سے ملتے جلتے تھے۔ مملکت عثمانیہ میں پہنچ کر اندلسی یہودیوں نے عیسائی مذہب کو خیر باد کہا۔ یہ تمام پناہ گزین قسطنطنیہ کے علاوہ سالونیکا اور ادریانوپل میں بھی آباد ہوئے۔ اناطولیہ میں یہ لوگ بروسا، اماسیہ اور توقات کے شہروں میں بسے۔ یورپ کے کسی ملک میں یہودیوں کی تعداد اتنی نہ تھی جتنی کہ تنہا قسطنطنیہ میں تھی۔ شہر سالونیکا میں تو یہودیوں کو اکثریت حاصل ہو گئی۔ مسلمانوں نے یہودیوں کو مختلف صنعتی اصناف میں بھی داخل کیا کیونکہ یہودی اسلحہ سازی کے ماہر تھے۔ یہ لوگ یورپ کی مختلف زبانیں بھی جانتے تھے، اس لیے ان کو مترجم بھی مقرر کیا گیا۔ سلطان سلیمان عالی شان کے عہد میں اعلیٰ یہودی ربّی کو "کاخیہ" کا رتبہ عطا ہوا اور اس کاخیہ کے ذریعے یہودیوں کو سلطان تک رسائی حاصل ہوئی۔

ارمنی کلیسا سے حسن سلوک

حکومت عثمانیہ نے ۱۴۶۱ء میں ارمنی کلیسا والوں کو علیحدہ ایک ملّت کا درجہ دیا، حالانکہ اس ارمنی کلیسا کے والی کا صدر مقام مملکت عثمانیہ کے حدود کے اندر نہ تھا۔ ارمنی عیسائی یعقوبی عقائد کے پیرو تھے۔ جس نے یہ عیسائی مشرقی کلیسا، کیتھولک کلیسا سے جدا کیا تھا وہ گرے گری تھا، لیکن جب ارمنی حکومت کو بازنطینی حکومت نے ہڑپ کر لیا تو یہ ارمنی عیسائی غریب الدیار ہو گئے اور بیشتر ارمنی عیسائی مشرقی اناطولیہ میں بس گئے۔

سلاطین عثمانیہ نے جب طریقۂ ملت کو توسیع دی تو ارمنی کلیسا کے زمرے میں ان تمام عیسائیوں کو بھی شامل کر دیا جو مشرقی کلیسا کے تحت نہ تھے۔ ارمنی کلیسا کے ماننے والے یورپ کے مشرقی علاقوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ جب علاقۂ بلقان عثمانیوں کے زیرِ نگیں ہوا تو بہت سے ارمنی عیسائی مسلمان ہو گئے، لیکن پھر بھی ارمنی عیسائی کافی تعداد میں باقی رہ گئے۔ ارمنی عیسائیوں کے لڑکے ینی چری میں بھرتی سے مستثنیٰ تھے۔ ان کے حق میں یہ بڑی بھاری رعایت تھی۔ بیشتر ارمنی عیسائی شہروں میں آباد تھے۔

جب مصر و شام کے علاقے عثمانیوں کے زیرِ نگین ہوئے تو مشرقی کلیسا کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا، اسی طرح جزیرہ قبرص اور کریٹ کے عیسائی بھی مشرقی کلیسا کے معتقد تھے، لیکن تیسری صلیبی جنگ کے دوران میں قبرص کے عیسائیوں کو زبردستی کیتھولک بنایا گیا، اس لیے جب قبرص فتح ہوا تو یہاں کے عیسائیوں نے ترکوں کا خیر مقدم کیا۔ کیتھولک پادری جزیرۂ قبرص سے فرار ہو گئے۔ کیتھولک گرجے کو مسجد میں منتقل کیا گیا۔ یہاں کے باشندوں کو ترکوں کی بدولت پھر موقع ملا کہ اپنے آبائی مشرقی کلیسا میں شریک ہوں۔

غیر مشرقی کلیسا کے عیسائی فرقوں سے حسن سلوک

عثمانی فتوحات کے دوران میں عیسائیوں کی فرقہ وارانہ جنگ عروج پر تھی۔ جو عیسائی مشرقی کلیسا سے منسلک نہ تھے، ان پر مشرقی کلیسا کے بطریق ظلم کرتے تھے۔ بازنطینی حکومت اپنے بطریقوں کا ساتھ دیتی۔ ہر وہ عیسائی جو مشرقی کلیسا کے تحت نہ تھا ملحد و کافر سمجھا جاتا۔ شام کے یعقوبی عیسائی، مصر کے قبطی عیسائی، اناطولیہ کے نسطوری عیسائی یہ سب کے سب اپنے ہم مذہبوں سے اس درجے نالاں تھے کہ نسطوری تو ترک وطن کر کے ایران میں آباد ہو گئے تھے۔

جب ایران کے علاقے پر چنگیزی مسلط ہوئے اور بعد کو چنگیزی اسلام کی طرف راغب ہوئے تو نسطوری عیسائیوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ نسطوریوں کا اپنا علیحدہ کلیسا تھا جس کا مرکز کردستان کے پہاڑی علاقے میں تھا۔ اسی طرح یعقوبی عیسائی بھی گردش میں مبتلا تھے۔ نسطوریوں کی بھی دو شاخیں ہو گئی تھیں۔ دوسری شاخ "قبطی" کہلاتی تھی اور مصر میں آباد تھی۔ نسطوری اور یعقوبی عیسائیوں کے درمیان سخت دشمنی تھی، لیکن ساتھ ہی ان دونوں پر مشرقی کلیسا کے بطریق ظلم کرتے تھے۔ مصر کے مملوک حکمرانوں نے قبطی عیسائیوں پر بڑے ظلم کیے تھے۔

جب شام ترکوں کے ہاتھ آیا تو اس علاقے میں ترکوں کو ایک اور عیسائی فرقے سے واسطہ پڑا جو "مارونی" کہلاتا تھا۔ ان کا مرکز علاقہ لبنان تھا۔ اس فرقے کے اعلیٰ پادری کیتھولک فرقے میں شریک ہونا چاہتے تھے، لیکن ادنیٰ پادری اس اتحاد کے خلاف تھے۔ فرقۂ مارونی کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی

فطرت دو یعنی انسانی اور خدائی نہیں ہیں، بلکہ ان کی فطرت صرف ایک ہے۔

ترکوں کی نظر میں یہ سب عیسائی فرقے یکساں تھے۔ بعد فتح قسطنطنیہ گو ترکوں نے بطریق اعظم کو بڑا عروج دیا، لیکن ساتھ ہی ترک حکمرانوں کو دیگر عیسائی فرقوں سے کوئی خاص دشمنی نہ تھی۔ دیگر عیسائی فرقوں کی دشمنی مشرقی کلیسا سے تھی، نہ کہ ترکوں یا اسلام سے۔ بازنطینی حکومت تو بطریق اعظم کے کہنے پر چلتی تھی، لیکن ترک اس قسم کے عہد سے بری تھے۔ ساتھ ہی ترک اسلامی، ارمنی اور مشرقی کلیسا کی تین ملتوں کے علاوہ کوئی چوتھی ملت قائم کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اس لیے عثمانی حکمرانوں نے مشرقی کلیسا کے علاوہ تمام دیگر ملتوں کو ارمنی کلیسا کے تحت شمار کیا اور تمام عیسائی فرقوں کو وہی سب مراعات عطا کیں جو ارمنی عقیدے والوں کو حاصل تھیں۔ اگر بطریق کا بس چلتا تو وہ ان تمام ملحد اور کافر فرقوں کی بیخ کنی کر دیتا، لیکن ترکوں نے کسی قسم کا ظلم ان ملحد فرقوں پر روا نہ رکھا۔ اس لیے یہ تمام فرقے بجز فرقہ کیتھولک برابر ترکوں کے حق میں ۱۰۰۰ ہجری (مطابق ۱۵۹۱ء) تک رہے۔

اس سن ایک ہزار ہجری کے متعلق ایک منحوس پیش گوئی تھی جس کے مطابق ترکوں کا عروج اس منحوس سال کے بعد ختم ہونا لکھا تھا اور مسلمانوں پر عیسائیوں کا غلبہ ہونا ضروری تھا۔ جب یہ منحوس سال آیا تو ترک اپنی عیسائی رعایا کی طرف سے خبردار ہونے لگے، کیونکہ ترکوں کو یقین تھا کہ عیسائی حکومتوں کی یورشیں ترکوں کے خلاف اسی حالت میں کارگر ہو سکتی ہیں جب عیسائی رعایا دشمنوں سے سازش کر سکے۔ باوجود ترکوں کی خبرداری کے مشرقی کلیسا کے پیرو سب ترکوں کے حق ہی میں رہے، کیونکہ اس کلیسا والوں کو یقین کامل تھا کہ اگر ترکوں کا سایہ اُن کے سر سے اُٹھ گیا تو کیتھولک کلیسا ان کو ہضم کر جائے گا۔

اسی دور خبرداری میں ینی چری کی بھرتی میں ایک بڑی تبدیلی کی گئی اور اس فوج میں بجائے عیسائی لڑکوں کے مسلمان بھرتی کیے جانے لگے۔ اس تبدیلی سے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان وہ تعلقات باقی نہ رہے جو اس سے پہلے تھے۔ شروع میں عیسائی خوش ہوئے کہ ان کے لڑکوں کو اس جبریہ بھرتی سے رہائی ملی، لیکن ساتھ ہی عیسائیوں کے لیے ترقی کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ مشرقی کلیسا کے عیسائیوں نے اس بندش کو خاص طور سے محسوس کیا، کیونکہ ینی چری کی بھرتی اس فرقے تک محدود تھی۔ اب عیسائیوں کا یہ فرقہ ترکوں کا دشمن ہونے لگا۔ جب ان عیسائیوں میں احساس قومیت پیدا ہونا شروع ہوا تو ترکوں کے لیے خطرہ اور بڑھ گیا۔ اب ترکوں کو غیر ترک مسلمانوں پر اعتماد کرنا پڑا اور اس طرح مسلم اور غیر مسلم کا سوال کھڑا ہو گیا۔

مشرقی کلیسا کے عیسائی کئی اقوام پر مشتمل تھے، لیکن ترک ان سب کو رومی ملت ہی سمجھتے تھے۔ اس کلیسا کے قائم کردہ مدارس میں یونانی زبان پڑھائی جاتی تھی، گو ان مدارس کے طلباء مختلف قوموں کے تھے، لیکن مشترکہ زبان کی وجہ سے ان مختلف اقوام میں ایک قسم کا اتحاد پیدا ہوا۔ ترک دشمنی نے

اس اتحاد کو ہوا دی۔ اب یہ قومیں مغربی حکومتوں سے ساز باز کرنے لگیں۔ مشرقی کلیسا کے نوجوان پادری مزید تعلیم کے لیے سوئٹزر لینڈ، ہالینڈ اور انگلستان تک پہنچے۔ ان پادریوں نے بعد تکمیل تعلیم مشرقی کلیسا میں اصلاحات رائج کرنے کی کوشش کی۔ ان اصلاحات سے مشرقی کلیسا میں دوبارہ جان پڑی۔ اس بیداری سے ان لوگوں کی اسلام دشمنی اور بڑھی اور اب مشرقی کلیسا کے پیرووں کی نظر روس پر پڑنے لگی جو اب مشرقی کلیسا کا محافظ بن گیا تھا۔

جب صلح نامہ کارولوز مرتب ہوا تو اس کی رُو سے دولت عثمانیہ کے کئی علاقے عیسائی حکومتوں کے ہاتھ لگے۔ اب مشرقی کلیسا کے تمام عیسائی کھلم کھلا ترکوں کے دشمن ہو گئے۔ اب ترکوں کو محلہ فنار کے یونانی عیسائیوں پر اعتماد کرنا پڑا۔ چونکہ اب ترکی حکومت آئے دن عیسائی حکومتوں سے الجھتی رہتی تھی، اس لیے یہ فناری صلح کی بات چیت کے لیے ترکوں کی طرف سے بھیجے جاتے۔ جو عیسائی مملکت عثمانیہ سے علیحدہ ہو کر دیگر عیسائی حکومتوں کے زیر نگیں ہو گئے تھے انہوں نے آزادی کے نعرے لگانا شروع کیے۔ مختلف علاقوں میں آزادی کے نام پر لٹیروں کی جماعتیں نمودار ہوئیں۔ ان جماعتوں نے عیسائیوں کو بغاوت کے لیے اکسانا شروع کیا۔ چونکہ ترکی حکومت نے عیسائیوں کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دے رکھی تھی، اس لیے ان لوگوں نے آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔

الغرض ترکوں کی عطا کردہ مذہبی آزادی خود ترکوں کے لیے آفت جان بن گئی۔ مشرقی کلیسا کے عیسائیوں پر حکومت کی طرف سے "قوجا باشی" تعینات تھے، لیکن یہ قوجا باشی عیسائی تھے۔ حکومت کے حکم پر لٹیروں کے انسداد کے لیے قوجا باشیوں نے ٹولیاں بنائیں، لیکن یہ ٹولیاں لٹیروں سے مل گئیں۔ صرف محلہ فنار کے عیسائی ترکوں کے حمایتی باقی رہ گئے، لیکن ان فناریوں کا اصل منشا یہ تھا کہ موقع پا کر مملکت عثمانیہ کا خاتمہ کیا جائے اور قسطنطنیہ میں بازنطینی حکومت کو زندہ کیا جائے۔ چند فناری چاہتے تھے کہ قسطنطنیہ روس کے ہاتھ لگ جائے۔ مسلمان بھی فناریوں کی اس سازش کو تاڑ گئے، لیکن پھر بھی فناری سازشیں کرتے رہے۔

بلحاظ عقائد روسی مشرقی کلیسا کے پیرو تھے۔ اب روسی حکومت نے ترکوں کے خلاف جملہ تدبیرو تلقین شروع کی اور اپنے آپ کو حامی مشرقی کلیسا ثابت کرنا شروع کیا اور مشرقی کلیسا کے تمام پیرووں کو اپنے حق میں کر لیا۔ اب یہ تمام پیرو روس کے اشارے کے منتظر تھے۔

یہودیوں کی غدّاری

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ترکوں کی رواداری نہ پالیسی سے جو لوگ سب سے زیادہ مستفید ہوئے وہ یہودی تھے، لیکن غدّاری یہودی کی فطرت کا جزو بن چکی تھی۔ سلطان سلیمان عالی شان کے زمانے میں تو یہودی سلطان مذکور کے اس حد تک منہ لگ گئے تھے کہ ان لوگوں نے سلطان کو مجبور کیا کہ وہ پا پائے

روم کو مجبور کرے کہ یہودیوں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ ایک یہودی یوسف ناسی نامی قسطنطنیہ پہنچ کر سلطان سلیمان کا ایسا مقرب بن گیا کہ عیسائی حکمرانان مغرب اس یہودی کے ذریعے سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حرم سرا میں یہودی خواتین کی بڑی خاطر مدارت کی جاتی تھی۔ تمام تجارت اندرونی اور خارجی ان کے ہاتھ آ گئی۔ اس پر غیر یہودی اور خصوصاً عیسائی یہودیوں سے ایسے جلے کہ سلاطین کو بھی یہودیوں کے خلاف کر دیا۔ سلاطین کی خفگی میں یہودیوں کا اپنا ہاتھ بھی تھا۔ مملکت عثمانیہ میں یہودیوں کو جو خوش حالی نصیب ہوئی تھی، اس سے ان کا سر پھر گیا اور اب یہ "اتحاد یہود" کے خواب دیکھنے لگے۔ ان میں ایک تحریک اٹھی کہ ربیّوں کو سند دینے کے لیے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے۔ فلسطین میں ایک یہودی طبیب نے تالمود اور ربانی روایات کو منظم صورت میں قلمبند کیا۔ یہودیوں میں مسلمانوں کی طرح ایک صوفی طبقہ پیدا ہو چکا تھا جو "قبالہ" کے نام سے موسوم تھا۔ اس طبقے نے آمد مسیحا کی پیشین گوئی کی، بلکہ مسیحا کے پیش رو کا بھی ظہور ہوا۔ اس پیش رو نے چند معجزے دکھائے جن سے تمام یہودی متاثر ہوئے۔ اس پیش رو نے اعلان کیا کہ اصل مسیحا خاندان داؤد سے اب آنے والا ہے۔ ظہور مسیحا کے لیے ۱۶۴۸ء مقرر کیا، لیکن بائیس سال قبل ہی یعنی ۱۶۲۶ء میں شہر سمرنا میں ایک یہودی سباطائی نامی نے دعویٰ مسیحائی کر ڈالا، لیکن حکومت سے خائف ہو کر سباطائی مسلمان ہو گیا۔ یہودیوں کا عقیدہ ظہور مسیحا کے متعلق پاش پاش ہو گیا، لیکن اہل عقیدہ یہودی اپنے عقیدے پر قائم رہے اور اس کے جانشین یعقوب نامی کے پرستار بن گئے، لیکن یعقوب بھی خائف ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس کی بدولت یہودیوں میں ایک نیا فرقہ قائم ہوا جس کے عقائد مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔

مسیحائی کے چکر میں یہودی اس بری طرح پھنسے کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنا مخالف بنا دیا۔ شام کے عیسائی اس تاک میں تھے کہ کسی طرح تجارت پر سے یہودیوں کا قبضہ دور کیا جائے۔ مسلمانوں کو یہودیوں سے ناراض دیکھ کر ان شامی عیسائیوں کی ہمت اور بڑھی اور بالآخر یہودیوں کی تجارت کا خاتمہ کر ہی دیا۔

ارمنی کلیسا کے پیروؤں کا انجام

عیسائیوں میں فرقہ وارانہ چپقلش اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بھی متحد نہ ہو سکے۔ اس وقت فرقہ وارانہ فسادوں میں کیتھولک پیش پیش تھے۔ علاوہ پاپائے روم کے اس فرقے کو لوئی چہاردہم جیسا حکمران باتدبیر مل گیا تھا۔ اس حکمران فرانس کا زور مملکت عثمانیہ میں قائم ہو چکا تھا۔ ادھر پاپائے روم نے کیتھولک عقائد کی تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ ترکی حکومت کے خوف سے کیتھولک مبلّغوں نے مسلمانوں پر ہاتھ نہ ڈالا۔ مسلمانوں کی جگہ ان مبلّغوں نے اپنی ساری توجہ ارمنی کلیسا کے پیروؤں پر مبذول کی اور ان کو کیتھولک بنانا شروع کیا۔ فرانسیسی حکومت نے ان مبلّغوں کا کھلم کھلا

ساتھ دیا۔

ادھر پروٹسٹنٹ حکومتیں کیتھولک کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھیں اور مملکت عثمانیہ میں کیتھولک حکومتوں کے اثر کو ختم کرنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ پروٹسٹنٹ مشنری بھی مملکت عثمانیہ میں پہنچے اور انھوں نے بھی ارمنی کلیسا کے پیروؤں پر ہاتھ ڈالا۔ چونکہ سلاطین عثمانیہ فرانس کے حق میں تھے، اس لیے بیشتر ارمنی کیتھولک ہوگئے۔ بعض نے پروٹسٹنٹ عقائد بھی اختیار کیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ارمنی کلیسا کمزور ہوکر تقریباً منتشر ہوگیا۔

ترکی حکومت کی ہمدردی ہمیشہ مشرقی کلیسا کے ساتھ رہی، کیونکہ سب سے پہلے جن عیسائیوں نے ترکوں کی اطاعت قبول کی تھی وہ اسی کلیسا کے پیرو تھے۔ جب بیت المقدس یعنی شہر یروشلم ترکوں کے قبضے میں آیا تو عیسائیوں کی مقدّس عمارات کی حفاظت مشرقی کلیسا کے پادریوں کے سپرد کی گئی۔ مزار مریم اور مزار عیسیٰ کی چابیاں بھی انھیں پادریوں کو دی گئیں۔ ۱۷۵۷ء میں سلطان نے ایک خطِ شریف جاری کیا جس کی رُو سے کیتھولک پادریوں کو ان مقدّمات مقدّسہ سے محروم کیا گیا۔ ترک حکمران ہمیشہ کیتھولک حکومتوں کی طرف سے مشکوک رہے، کیونکہ کیتھولک فرقے کا سربراہِ اعظم یعنی پاپائے روم ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کو اکساتا رہتا تھا۔ صلیبی جنگیں بھی انھیں پاپاؤں نے شروع کی تھیں۔

خلفائے راشدین کے بعد جو حسن سلوک ترکوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا، اس کی مثال تاریخ اسلام میں کہیں اور نہیں ملتی۔ لیکن اس کے باوجود بیشتر مغربی مؤرخ ترکوں پر تعصّب کا الزام لگاتے ہیں۔ اس الزام کے ثبوت میں دستور جزیہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن کوئی مغربی مؤرخ اس بات کا ذکر نہیں کرتا کہ ترکوں نے کس نیک نیتی اور وفاداری سے اس قانون کا احترام کیا جس کے تحت ملّت کا دستور قائم کیا گیا تھا۔ اسی احترام ملّت کی وجہ سے ترک ان عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت نہ کرسکے۔ تمام عیسائی فرقوں کو مذہبی معاملات، بلکہ عدالتی معاملات میں بھی ترکوں نے پوری آزادی دی۔ اس سے زیادہ اور کیا انصاف ہوسکتا ہے کہ جس مقدمے میں مدّعی مسلمان ہوتا تو وہ مقدمہ بھی عیسائیوں کی عدالت میں پیش کیا جاتا۔

دستور جزیہ

اب رہا جزیہ کا معاملہ۔ بیشک ترکوں نے غیر مسلموں پر جزیہ لگایا۔ ساتھ ہی غیر مسلموں کو خراج یعنی مالگذاری بھی ادا کرنی پڑتی تھی، لیکن یہ مال گذاری مسلمانوں پر بھی واجب تھی۔ عثمانیوں کے عہد میں بیشتر زمینیں حکومت کے تحت تھیں۔ مالگذاری صرف ان زمینوں پر لگائی جاتی جو کسی کی ذاتی ملکیت ہوتیں۔ اسی لیے خراج کی دو قسمیں تھیں۔

(۱) "خراج مقاسمہ" جس کو "عشر" بھی کہتے تھے۔ اس قسم کا خراج مسلم اور غیر مسلم دونوں سے یکساں نرخ پر وصول کیا جاتا۔
(۲) "خراج موظف" بھی مسلم اور غیر مسلم دونوں سے وصول کیا جاتا۔ صرف نام کا فرق تھا۔ اس قسم کا خراج جو غیر مسلم سے وصول کیا جاتا وہ "اسپنجی" کہلاتا۔ مسلمانوں سے وصول کردہ "چفت اک چیسی" کے نام سے موسوم تھا۔

البتہ صرف جزیہ کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم میں تمیز کی جاتی، لیکن اس جزیہ سے تمام غیر مسلم عورتیں، بچے، غلام اور معمّر مرد بالکل مستثنیٰ تھے۔ اسی طرح تمام عیسائی راہب اور تمام عیسائی ملازمینِ حکومت بھی جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کا نرخ حسب حیثیت تھا۔ اس ٹیکس کے لیے تمام غیر مسلموں کو تین زمروں میں منقسم کیا جاتا۔ یعنی

- زمرۂ اوّل جو مالداروں پر مشتمل تھا۔ اس زمرے میں جملہ غیر مسلم زمیندار، صرّاف وہ تاجر جو دولت مند تھے شمار کیے جاتے۔ ان سے صرف اڑتالیس روپے سالانہ وصول کیا جاتا۔
- طبقہ اوسط جس میں اُن تمام غیر مسلموں کا شمار تھا جو نہ مالدار تھے اور نہ مفلس۔ ان کے جزیہ کا نرخ صرف چوبیس سالانہ تھا۔
- طبقۂ مفلس جس میں تمام کاریگر اور جوتا بنانے والے شامل تھے۔ صرف بارہ روپے سالانہ ادا کرتے۔

الغرض جزیہ محض برائے نام تھا، لیکن اس حقیر رقم کے عوض میں تمام غیر مسلم فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کی وصول یابی کے لیے خزانہ کا ایک خاص محکمہ تھا جو "جزیہ محاسباسی" کے نام سے موسوم تھا۔ یہ محکمہ کل سولہ لاکھ سادہ رسیدیں تمام ضلعوں میں بھیجتا، جہاں ان رسیدوں پر وصول شدہ رقم اور ادا کنندہ کا نام درج کیا جاتا۔ ان رسیدوں کی اس تعداد سے پتہ چلتا ہے کہ دولت عثمانیہ میں صرف سولہ لاکھ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ تمام غیر مسلموں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔

مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات

مملکتِ عثمانیہ کی آبادی دو قسم کی تھی یعنی شہری اور دیہاتی۔ دیہات کے باشندوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ ہم پیشہ ہونے کی بناء پر مسلم اور غیر مسلم کاشت کار مل جل کر رہتے۔ یہ لوگ مذہبی تعصّب سے بری تھے کیونکہ سیاست سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ان لوگوں پر مذہب کا تسلّط تھا۔

اس کے برعکس شہری مسلم اور غیر مسلم دونوں ہر قسم کے تعصب اور منافرت کا شکار تھے۔ غیر مسلم تو خاص طور سے قومیّت کے جنجال میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں ایک عیسائی

میکائل دمشقی نامی کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ قومیت کے نام پر یہ عیسائی باوجود ہم مذہب ہونے کے کس طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اس تحریر کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اس زمانے میں مشرقی کلیسا کے پیرو یونانی کلیسا کے جانی دشمن تھے۔ ۱۸۶۷ء میں ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ تین یونانی پادریوں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے مشرقی کلیسا کے ایک پادری کو قتل کیا ہے۔ یہ مبیّنہ تینوں پادری دمشق لائے گئے جہاں ان کو روزانہ زدوکوب کیا جاتا تھا۔ دمشق کے مسلمان ترک گورنر کے افسر نے ماخوذ پادریوں کے حق میں مداخلت کی۔ اس افسر نے پوچھا۔

کیا تمہارے مذہب میں جائز ہے کہ تم لوگ اپنے ہم مذہب کو اس طرح اذیّت دو؟

اس پر مشرقی کلیسا والوں کا جواب سنیئے۔

ان لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق ان کی دولت اور ان کا خون حلال ہے۔

شہروں میں جو مذہبی اور قومی تعصّبات اس قدر حاوی تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ بڑے بڑے شہروں میں عیسائی حکومتوں کے سفیر اور جاسوس رہتے تھے جو مذہبی اور قومی تعصّبات کو ہوا دیتے۔ عیسائی بھی فرقہ بندی میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ اپنے ہم مذہبوں کے خلاف یہ لوگ مسلمانوں کی مدد طلب کرتے، لیکن ساتھ ہی یہ عیسائی مسلمانوں کی مخالفت پر ہمیشہ کمر بستہ رہتے اور بدیشی عیسائی حکومتوں سے ساز باز کرتے۔ عیسائیوں کو یہ شکایت تھی کہ حکومت ان کو مسلمانوں کا ہم پلّہ نہیں سمجھتی، حالانکہ ترکوں نے دستورِ ملّت کا اس حد تک احترام کیا کہ ان کو قبول اسلام پر کبھی مجبور نہ کیا۔

عیسائی ملّتوں کے اپنے قائدوں نے اپنے مفاد کی خاطر عیسائیوں کی شکایات کو اور ہوا دی، کیونکہ عیسائیوں کو اسلامی حکومت کے خلاف اکسا کر یہ قائد بدیشی سفارت خانوں سے روپے وصول کرتے تھے۔ اس معاملے میں روسی سفارت خانہ پیش پیش تھا۔ کیونکہ روسی حکومت اپنے آپ کو حامی کلیسائے مشرقی سمجھتی تھی اور بازنطینی شہر قسطنطنیہ کو حاصل کرنے کی تاک میں رہتی تھی۔